صبر و رضا کے پیکر

انحتِ رائد رانا

امتحان شروع ہونے میں چند ساعتیں باقی تھیں۔ میں نے ہاتھ میں پکڑی اشیا کو سنبھال کر ان کے پورے ہونے کا دوبارہ یقین کیا اور تیزی سے کمرۂ امتحان کی طرف جانے لگی کہ اچانک ایک ننھی سی آواز سماعت سے ٹکرائی ...... ''میری بہن آئی ہے!!''

آواز کی سمت نگاہیں دوڑائیں تو ننھا عطاء المکرم خوشی کے راگ الاپتا نظر آیا۔ اُس کے چہرے پر دنیا بھر کی مسرتوں کے رنگ کھلے ہوئے تھے، گویا خوشیوں کے خزانے کی چابی اُس کے ہاتھ آ گئی ہو۔ اپنے اِردگرد کھڑے افراد کو یقین دلانے والے انداز میں بتا رہا تھا کہ میری بہن آئی ہے۔ کچھ وقت کی کمی، اوپر سے پرچے کی گھبراہٹ ...... میں اُس کی بات سمجھ نہ پائی مگر اُس کے باوجود میرے دماغ نے اِس منظر کو محفوظ کر لیا...... مفہوم میری سمجھ میں اُس وقت آیا جب پرچے کے اختتام پر ننھی ''مزملہ'' کی آمد کی خبر منہ میٹھا کروا کے دی گئی تو صبح کا واقعہ ذہن میں دوبارہ تازہ ہو گیا اور خوشی دوبالا ہو گئی۔

عطاء المکرم (امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا پڑنواسہ) اپنی بہن کی آمد پر سب سے زیادہ خوش تھا۔ اُس کی باتوں میں اب اس کا ہی تذکرہ ہوتا۔ ہم لوگ بھی اِس بابرکت خاندان میں خوشگوار اضافے سے بہت خوش تھے۔ لیکن انسان کی خوشی اور اس کا غم سب ہی کچھ باری تعالیٰ کی مصلحتوں کا پابند ہے۔ کہاں اور کب کون سا پتا گرنا ہے اور کیوں گرنا ہے؟ سب کچھ اُس کے علم میں ہے۔ کس پودے کی آبیاری ہوگی اور کون سا درخت جڑ سے اکھڑ جائے گا یہ اس کے ہی علم میں ہے۔ بس اس کی رضا میں ہی راضی رہنا بندے کا اصل امتحان ہے۔ ننھی مزملہ کو اس دنیا میں آئے ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا تھا کہ وہ بیمار ہو گئی۔ دعاؤں اور دواؤں کی تمام تدبیروں پر اُس خالقِ دوجہاں کی تقدیر غالب آ گئی اور ننھی مزملہ ہم سے بہت دور چلی گئی۔ عطاء المکرم کی نگاہیں ہر وقت اُس کی تلاش میں رہتیں۔ اُسے زندگی اور موت کے فلسفے کی بھلا کیا خبر؟ اُسے تو اپنی بہن چاہیے تھی...... اُس کو جنت کے بارے میں بتایا گیا۔ مزملہ کے وہاں شہزادیوں کی طرح رہنے کی یقین دہانی کروائی گئی۔ سارے گھر پر ننھی جان کے چلے جانے سے غم کی فضا طاری تھی۔ آنسو پر تو کس کا اختیار ہوتا ہے، مگر وہاں آہ و فغاں، واویلا اور پکار کا کوئی تصور نہیں تھا۔ تعزیت کے لیے جانے والی طالبات کو بھی جانے سے قبل تعزیت کے مسنون طریقے کی تربیت دی گئی۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے ختم نبوت کے جس عظیم مشن کا بیڑا اُٹھایا تھا، اللہ پاک نے کچھ اِس طرح قبول کیا کہ اُن کی اولادوں کی اولاد کو بھی اپنے دین اور ختم نبوت کے عظیم مقصد کے لیے قبول فرما لیا۔ بلاشبہ آج کے دور میں یہ گھرانہ قرآن وسنت کی روشنی کو چہار سو پھیلانے کی کوشش میں پوری طرح سرگرم ہے۔ پیر جی عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والا جامعہ بستانِ عائشہ کا پودا علم وعمل کی مہکتی کلیوں کو جنم دے رہا ہے، جن کی برکات سے کئی جگہ ظلمتوں کی شب کی جگہ نورِ ایمانی نے لے لی ہے۔ مزملہ کی وفات کو ایک برس بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک ۱۵/ نومبر ۲۰۰۹ء کو مزملہ کے والد جناب ذوالکفل بخاری (پیر جی عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے داماد) جو مکہ میں اُم القریٰ یونیورسٹی میں درس وتدریس

کے فرائض انجام دے رہے تھے، گاڑی کے حادثے میں شہید ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

جائے حادثہ پر موجود عینی شاہد کے مطابق موت سے قبل بخاری صاحب نے کلمۂ شہادت پڑھا اور داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ آپ اعلیٰ پائے کی علمی اور ادبی شخصیت کے مالک تھے۔ ادبی ذوق آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ آپ کا قلم للّٰہیت سے بھرپور اور تقویٰ سے مزین شخصیت کی عکاسی کرتا تھا۔ ان کی جواں سالہ موت کی خبر جلد ہی پاکستان آگئی۔ آپ کی وصیت تھی کہ اگر میں یہاں فوت ہوجاؤں تو جنت المعلیٰ میں دفن کردینا...... نہ جانے یہ بات اُنھوں نے کتنے خلوص سے کہی تھی کہ وہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں قبول ہوگئی اور آپ کو اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہی جگہ ملی، جس پر خطیبِ حرم مولانا محمد خیر محمد مکی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ نصیب والوں کو ہی ایسی جگہ ملا کرتی ہے۔

عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی دختر (ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ کی والدہ) کے لیے پوتی کے بعد بیٹے کے چلے جانے کا غم یقیناً بے حساب ہے۔ جب نازک سا پودا شجرِ سایہ دار بن جائے اور اُس کی چھاؤں میں بیٹھنے کا وقت ہو اور پھر وہ اکھڑ جائے تو مالی پر کیا گزرتی ہے؟ یہ وہی جان سکتا ہے جو اس کٹھن مرحلے سے گزرا ہو۔ اور اولاد تو پھر ماں کے وجود کا حصہ ہوتی ہے۔ اس جانکاہ حادثے کے بعد ہر طرف تعزیت کے لیے آنے والوں کا ہجوم اُمڈ آیا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، لیکن شاہ جی رحمہ اللہ کا گھرانہ صبر و استقامت کا اعلیٰ نمونہ بن کر سب کے لیے ایک بہترین مثال بنا رہا۔ بلاشبہ ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ کی شخصیت جہاں ایک بہترین معلم کی تھی وہاں وہ حالات کو فہم وفراست کے سانچے میں ڈھال کر اپنے قلم سے ایسے فن پارے بکھیرنے کی خداداد صلاحیت کے حامل تھے جو قاری کے دل کو جا لگتے تھے اور یوں محسوس ہوتا کہ جذبات کو گویا زبان مل گئی ہے۔ ختم نبوت کا مشن آپ کو اپنے نانا سے ورثے میں ملا تھا۔ عقیدے کی پختگی، معاملات کی صفائی، شوقِ عبادت غرض زندگی ان سعادتوں سے بھری ہوئی تھی۔ مکہ یونیورسٹی میں پڑھانے کی خواہش کو جب اللہ نے پورا کیا تو وہ بہت مسرور ہوئے۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ بیت اللہ شریف کے پاس رہنا یقیناً ہر صاحبِ دل کی اوّلین خواہش ہے مگر بات تو شرفِ قبولیت کی ہے نا۔ شاہ جی رحمہ اللہ کی وفات پر تمام خاندان اکٹھا ہوا۔ کسی کی زبان پر اُن کے خلاف حرفِ شکایت نہ تھا۔ ہر آنے والا شاہ جی کے کردار اور عمل کے بلند ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

آپ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ایک دوست حادثے کا شکار ہوکر زخمی ہوگئے۔ وفات سے ایک یوم قبل ایک دوست حرم شریف جا رہے تھے تو اس کو شاہ جی رحمہ اللہ نے حادثے کا شکار ہونے والے دوست کے لیے دعا کا کہا کہ اللہ ان کو صحت دے۔ جس پر وہ کہنے لگے: ''شاہ جی! آپ کے لیے کیا مانگوں؟'' فرمانے لگے: ''خاتمہ بالا ایمان......'' عرض کیا: ''جلد یا بدیر۔'' کہا: ''جلد ہی مانگ لو۔ زیادہ جی کر کیا کریں گے؟ گناہوں میں زیادتی ہی ہوگی۔''

اِس گفتگو کے اگلے ہی دن آپ اُس ذات کے حضور حاضر ہوگئے جس کے دربار میں حاضری سے کسی کو مفر نہیں۔ بلاشبہ وہ جہاں ایک فرماں بردار بیٹے تھے، وہاں ایک بے لوث محبت کرنے والے بھائی بھی تھے۔ جہاں ان کی ذات شریکِ حیات کے لیے بہترین ہمدم اور بے لوث رفیقِ زندگی کی تھی، وہاں مشفق و مربی باپ کا کردار ان کی ذات کا درخشاں پہلو تھا۔ چاند چہرے اور ستارہ آنکھوں والے عطاء المکرم اور عطاء المنعم کی زبان پر ہر وقت اپنے بابا کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ بی بی جی (سیدہ ام کفیل بخاری مدظلہا) کے غم کا اندازہ کرنے کے لیے پہاڑ کا کلیجہ چاہیے لیکن آفرین ہے اس تابعِ سنت وشریعت خاندان پر، اِن نازک لمحوں میں بھی کسی کے لب پر حرفِ شکایت نہ تھا۔ صبر و رضا کا درس کتابوں میں بہت پڑھا تھا لیکن اِس کا عملی نمونہ آج نظر آیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کے بدلے میں مرحوم کو اپنی رضا اور جنت کے بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین!

(ہفت روزہ خواتین کا اسلام کراچی، ۹/ دسمبر ۲۰۰۹ء)